ماریہ غزال

آبلہ پائی کا صلہ

"لڑکیاں تو ککڑی کی بیل ہوتی ہیں پتا ہی نہیں چلتا کب بڑھ گئیں۔ لڑکیاں تو بانس کا پودا ہوتی ہیں اس کی طرح تیزی سے بڑھ جاتی ہیں۔"

لڑکیاں تو مچھلی کی مانند ہوتی ہیں، پانی میں پھینکو خود ہی تیرنا شروع ہو جاتی ہیں۔ (ویسے شاید انہیں پتا نہیں کہ انہیں پانی میں پھینکنا نہیں پڑتا وہ ہوتی ہی پانی میں ہیں)

ارے ہم بے چاری لڑکیاں نہ ہوئیں، محاوروں کی دکان ہو گئیں، ہم نے کبھی کہا کہ آپ کے لڑکے تو سیم و تھور ہو گئے۔ لگے اور لگتے ہی بڑھنا شروع ہو گئے۔ ایک دو نہیں پورے پانچ، دھرتی اور ماں دونوں کے سینوں پر مونگ دلنے کے لیے۔ کبھی ہم نے نظر لگائی کبھی کوئی اوٹ پٹانگ محاورہ ان کے لیے بولا نہیں نا۔ تو بھلا ان کو کیا حق کہ ہر ملاقات میں ہم لڑکیوں کو اپنے نشانے کی زد میں رکھتی ہیں۔ ہم تو صرف دل ہی دل میں ان کی باتوں کے جواب سوچ اور دے سکتے ہیں۔۔

اب آپو جی کے سامنے بول کر اپنی شامت بلانی ہے۔ ویسے اس طرح کی باتیں سوچنے اور ان پر کلسنے کے نتیجے میں جو مواد دماغ میں آتا ہے، وہ نہایت شان دار ہوتا ہے۔ اگر اسے کاغذ پر تحریر کر دیں تو تہلکہ مچ سکتا ہے۔

ہاں تو خیر ابھی بات ہو رہی تھی آپو جی کی، جن کے سانڈ جیسے کئی بیٹے ہیں۔ (ویسے حقیقتاً سانڈ جیسے نہیں ہیں ہم نے ہمیشہ بدلے کے طور پر سوچ رکھے ہیں) اور اپو جی کو اپنے بھائیوں کی یہ بے چاری ککڑیاں، معذرت کڑیاں آنکھوں میں چبھتی ہیں۔

اب کیا کریں کہ قدرت نے ساری کامیابی ان کے ہونہار سپوتوں کے حصے میں جو لکھ ڈالی ہیں۔ پہلے تو ہمیں ان بے چاروں سے کوئی بیر نہیں مگر ان کی امی کی باتوں کے نتیجے میں ہو گیا ہے یا یوں کہہ سکتے ہیں کبھی کبھی ہو جاتا ہے۔ اب بھلا پانچوں شہزادے بالکل آسمانی مخلوق کی طرح، زندگی کی الگ الگ فیلڈ میں اپنے نام کے جھنڈے گاڑ رہے ہیں۔ سب سے بڑے غنی بھائی ہیں، ذہین و فطین میرین انجینئر بن بیٹھے ہیں۔ ویسے تو سنا ہے کہ "کسی کو عزت کی کرسی پر بیٹھا دیکھو تو سمجھ جاؤ ذلت کے راستوں سے ہو کر آیا ہے" مگر ہمیں تو یوں ہی لگا کہ بس اچانک سے مل گئی عزت یوں ہی بیٹھے بٹھائے۔

اب انہوں نے تعلیم کے میدان میں جو محنت کی، وہ ہمیں کیسے نظر آ سکتی ہے۔ کیونکہ محنت تو وہ اپنے گھر میں کرتے ہوں گے اور ہنسی مذاق، ہاؤ ہلا کرنے شام میں سج بن کر آتے دو گھنٹہ دادا جی (ان کے نانا) کے ساتھ گزارنے اور چلے جاتے اور جب جاتے تو گھنٹہ دو گھنٹہ تک، ان کے لگائے پرفیومز کی خوشبو ان کی آمد کا پتا دیتی رہتی۔ ہم اس سے دردسر میں مبتلا رہتے۔ (خوشبو سے یا شاید ان بھائیوں سے الرجی کے سبب)

اب ہم دوسرے تابع دار کا تعارف کرواتے ہیں نام کے ہی نہیں کام کے بھی رضی ہیں۔ سب کو راضی خوش رکھنے کا ٹھیکہ ان ہی کے پاس جو ہے۔ ہر جمعہ کو دادا جی کے ناخن تراشنا، پاؤں کو گرم پانی کے تسلے میں ڈال کر مساج کرنا پھر انہیں نہلا دھلا کر دھوپ میں بٹھانا۔ خوشبو لگانا۔ مالش پیروں کی کرنا۔ جمعہ کے دن پارلر (بیوٹی والا) کھول کر بیٹھ

www.zemtime.com

جاتے۔ اب کیا کریں مجبوری ہے، گھر کا کوئی لڑکا اتنا بڑا نہیں جو یہ کام انجام دے سکے، سو یہ بیگار ان کو دینی پڑتی، اس کے ساتھ ہم لڑکیوں میں سے کوئی نہ کوئی ان کی مدد کرتا مگر اس بے چاری کا کوئی نام نہیں کوئی محنت کا ذکر ہی نہیں۔ (اس میں گرم پانی کی فراہمی کو ممکن بنانا۔ صاف تولیہ کی فراہمی، دھوپ میں کرسی ڈالنا، تیل، کٹر صابن، شیمپو اور پانی) جو کہ اس شہر کا سب سے بڑا مسئلہ ہے) اس کی فراہمی کو یقینی بنانا۔ اس کے لیے عموماً جس لکڑی، معذرت کڑی کی ڈیوٹی ہوتی وہ ایک دن پہلے سے انتظام میں لگ جاتی تھی۔ ویسے یہ آئی بی اے سے ایم بی اے تھے۔

تیسرے تھے، سب سے منفرد اور بے زار مسٹر صفی (غالباً ابو جی نے یہ نام ابن صفی سے متاثر ہو کر رکھا ہوگا یا شاید بہت زیادہ جاسوسی دنیا پڑھی ہوگی تب

ہی ان کے یہ فرزند جیمز بانڈ بنے پھرتے تھے) وہ ایئرونائیکل انجینئر بن رہے تھے۔ اپنے شعبے کے حساب سے ہواؤں میں اڑنا انہیں خوب آتا تھا۔ لمبی لمبی ہوائی (صرف ہمارے خیال میں) منصوبے۔ ایران توران کے قصے۔ ارے کوئی پوچھے کہ میاں! تم زمین پر بھی کبھی پائے جاتے ہو۔ مگر بھلا کس کی یہ مجال۔ دادا جی سے مہینہ دو مہینہ میں ملتے اور اگلی ملاقات تک دادا جی اپنے اس ہونہار پلس بے زار نواسے کے گن گاتے پائے جاتے۔

چوتھے سپوت تھے تقی۔ ڈاکٹری ان کا شعبہ تھی اور گھر کی ہر ہنگامی صورت حال یعنی کسی کی بھی خرابی صحت کے وقت موت کے فرشتہ کی صورت آن ٹپکتے۔ ان کو خوں خوار فرزند ہونے کا درجہ حاصل تھا کیونکہ ہمارے خیال میں نیم حکیم خطرہ جان دوائیں دے دیں اب جائیں، ناجی نا اپنے سامنے حلق میں انڈ لوا کر ہی دم لیتے۔ شاید اپنے تجربہ کے نتائج دیکھنا چاہتے ہوں گے۔ سب سے آخر میں شیر خوار (بنے ہوئے) فرزند مسٹر تقی تھے عجیب وغریب نام اور ویسے ہی عجیب کام۔ نام کے تقی کیا ہوئے، نگاہوں سے نقب زنی کرنا کبھی نہ بھولتے، جب ایک جا جچتی تو لتی اور پھر تحقیر کرتی نظر کرم ہوتی تو چھلنی ہونے سے کوئی بھلا رہ سکتا ہے۔ ویسے ہماری چچیری بہنوں کا یہ کہنا تھا کہ یہ وصف صرف اور صرف ہمارے لیے ہے ورنہ باقی سب سے تو ہنسی مذاق کا رشتہ استوار رکھتے کہ گھر میں سب ہی ان کے گن گاتے۔ ممانیوں تک سے لاڈ اٹھواتے۔

ہمارے اس قدر تفصیلی تعارف کے بعد آپ کو اندازہ ہو ہی گیا ہوگا کہ اپوجی یوں اتراتی پھرتی ہیں۔ ان کے ہاتھ تو — ہفت اقلیم کی دولت ہی لگ گئی تھی۔ ویسے کسی کے اتنے بیٹے اور سب کے سب ایک سے بڑھ کر ایک تو اس ماں کو اترانا زیب بھی دیتا ہے مگر بس وہ ہمیں کچھ نہ بولیں۔ ہم لڑکیوں کے لیے عیب جوئی اور تنقید نگاری چھوڑ دیں۔

مگر ایک دن یہ عقدہ بھی کھل گیا، ہوا کچھ یوں کہ سدرہ آپی بی اے میں پوزیشن لے آئیں۔ اپوجی مٹھائی پھول کے ہار گجرے کپڑا لتا اور سونے کا بریسلیٹ کے ساتھ وارد ہوئیں۔

دراصل انہوں نے سب بھائیوں کے سامنے زبان دی تھی کہ وہ ہر بھائی کی بڑی بیٹی کو اپنی بہو بنائیں گی۔ سدرہ آپی نے ان کے اس فیصلے کو چار چاند لگا دیے تھے اور اب وہ انہیں مان اور چاؤ سے بیاہ سکتی تھیں۔ اور ہمارے آنگن میں اس شام بہت کچھ غیر متوقع تھا ان سب میں سب سے زیادہ لبینہ اور صفی کالان کے تنہا گوشے میں کھڑے ہو کر راز و نیاز تھا۔ وہ صاحب جو اپنے پٹھے پر ہاتھ نہ دھرنے دیں وہ اور یہاں وہاں کی باتیں چپکے چپکے راز و نیاز۔ ہمیں کیا کی سوچ نے ہم کو ان فضول سوچوں سے نجات دی۔ مگر رات بستر پر لیٹ کر ساری تقریب کا حال سوچ رہے تھے اور لطف لے رہے تھے کہ اچانک دوبارہ صفی اور لبینہ یاد آ گئے اور یہ پرواز صفی اور لبینہ سے اڑتی اڑتی خبر پر آ گئی کہ وہ تو پگلے ابا کی سب سے بڑی بیٹی ہے اور میں اپوجی کے سب سے چھوٹے بھائی کی سب سے بڑی بیٹی اف میرے رب! یہ کیسا آگاہی کا عذاب مسلط ہوا ہے۔

میں تو یہ سوچ بھی نہیں سکتی اور یہاں یہ انوکھا فیصلہ۔ اب یہ جاسوسی ضروری تھی کہ ہم کس سانڈ کے پلے پڑنے والے ہیں۔ تقی کے یا..... تقی کے۔ بہت سوچا کئی بار ارادہ کیا امی جی سے پوچھنے کا مگر ہمت نہ ہوئی اور موئی اپنی چچیری بہنوں سے بھلا کیسے پوچھتے، وہ ہمارے منہ لگنے کو تیار ہی نہیں پوچھ لیا تو یا تو مذاق بن جائے گا یا کوئی حاصل وصول ہی نہ ہوگا۔ سوچیے رہ کر جائزہ لینا پڑے گا۔

دراصل میں ایک غریب سرکاری مدرس کی دختر نیک اختر تھی۔ بے چارے ابا نے کبھی ایک پائی حرام کی نہیں کمائی۔ خودداری کی زندگی گزاری۔ شوبازی کے بجائے راست بازی کو اپنا وطیرہ بنایا۔ ابا کے اپنے اصول وضوابط تھے، ان کے لیے وہ کسی قیمت پر کسی کے سامنے جھکنے پر راضی نہ تھے۔ انہوں نے بڑی

www.zemtime.com

سرکاری عہدوں کی سفارش کو قبول نہ کیا، اپنی اوقات واستطاعت کی نوکری کی، اسی لیے وہ سارے خاندان سے الگ ہم کو لے کر ایک درمیانی درجے کے علاقے میں رہائش پذیر تھے۔

وہ تو دادا کی بیماری نے ہمیں اس محل میں آنے پر مجبور کر دیا۔ اسی لیے اس محل سرا کے باسیوں کو ہم اور ہمیں اس محل سرا کے مکین بالکل ہضم نہیں ہوتے۔ کبھی کبھی اپنا اور اپنے گھر والوں کا وجود جنت میں شیطان کی مانند لگتا۔ مگر چونکہ ابا خدمت گزار اولاد تھے۔ اس لیے اس مشکل وقت میں ان کا آسرا ہی اصل تھا۔ ابا ساری رات دادا کے کمرے میں بستر لگا کر سوتے۔ ان کو کروٹ دلانا۔ پیڈ پیپن لگانا۔ ان کے ٹھنڈے گرم کا خیال کر کے، کمبل اڑھانا نہ اڑھانا ساری رات اس تیمارداری کی نذر ہو جاتی ابا صرف دادا کی حیات تک یہاں رکنے والے تھے اور دادا چراغ سحری۔ جس کے گل ہوتے ہی ہم دوبارہ اپنی دنیا میں واپس جانے کا ارادہ رکھتے تھے۔

جہاں ہم بہن بھائی، امی ابا کے ساتھ اپنی مرضی کی زندگی جیتے۔ جہاں اماں کے ہاتھ کے پکے مزے دار پکوان ہوں گے فارس اور انصر کے ساتھ ہنسی مذاق لڑائی جھگڑا پہل دوج اور آنکھ مچولی ہوں۔ میری پرانی سکھی سہیلیاں ہوں۔ جو برسات میں امی کے ہاتھ کے پکوڑوں سے زیادہ چٹنی کی شیدائی تھیں۔ یہاں امی کو آرام ہے کہ گھر میں کک ہے مگر اس کے ہاتھ میں امی کے ہاتھ کا ذائقہ نہیں۔ مگر اس سبب ان کے پاس فراغت بھی ہے۔

سو جب بڑی امی نے سدرہ آپی کے جہیز کی چادروں کی سلائی کے لیے، امی کی مدد چاہی تو امی نے فوراً ہامی بھر لی۔ امی نے اب اپنی دونوں سلائی مشینیں کمرے سے نکال کر دالان میں تخت پر رکھ لیں۔ چادروں کی سلائی کے لیے بڑی جگہ کی ضرورت تھی اور نانی امی نے ہی یہ مشورہ دیا تھا۔ اب ہمارا بھی فارغ وقت سلائی مشین کی نذر ہونے لگا۔ ویسے تو ہم بہن بھائی فارغ وقت میں ہمیشہ ہی امی کی مدد کرتے رہے ہیں۔ مگر شاید سارے خاندان کو پہلی دفعہ پتا چلا تھا۔ اس محل کے باسیوں کو تو معلوم ہی نہ تھا کہ رزق حلال کے لیے کتنے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔ یا ہم کتنے پاپڑ بیلتے ہیں اور ہماری رہی سہی عزت (جو کہ بقول امی کے کبھی تھی ہی نہیں نہ ہوگی) وہ بھی ملیا میٹ ہوگئی۔ شادی کے دن قریب تھے امی چادروں پر موٹی ڈوری پائنگ لگا رہی تھیں۔ میرے ذمہ غلافوں کی سلائی تھی۔ انصر بٹن لگا رہا تھا جبکہ فارس استری میں جتا تھا۔ ابھی پوری چار چادریں باقی تھیں اور جہیز جانے میں چار ہی دن بچے تھے۔

جہیز کے کپڑوں کی پیکنگ بھی ہمارے ہی ذمہ تھی۔ تائی امی نے ان سارے کام کے عوض امی کو اجرت دینے کا وعدہ کیا تھا۔ باقی لڑکیوں کے کپڑوں جیسے ہمارے مایوں مہندی کے کپڑے بنا دیے تھے۔ امی کی ساڑی امی کو امی کی مرضی سے دلائی تھی، جیسے سب کو عزت واحترام سے دلائی تھی مگر ہمارے شادی کے کپڑے جو ہماری پسند کے ہونا تھے ابھی باقی تھے۔

جہیز کا آرڈر جاتا تو میرے کپڑوں کی سلائی کی باری آتی۔ سو ہم تینوں ہی تن دہی سے مصروف تھے کہ اس بے محل موقع پر اپوجی کی غیر متوقع آمد بمعہ آخری دو صاحبزادوں کے ہوگئی۔ اپوجی کی تو نظریں ہی خیرہ ہوگئیں اس قدر حسین چادریں دیکھ کر وہ رک کر چادروں کی، جانچ پڑتال کرنے لگیں جبکہ تقی اندر کی سمت بڑھ گئے۔

البتہ تقی نے اپنی ناقدانہ تولتی ٹٹولتی نظروں سے اس درزی خاندان کو دیکھا۔ چہرے پر بے زاری درج ہوئی پھر برہمی اور پھر اندر کے بجائے باہر کی سمت قدم بڑھا دیئے اپوجی اجرت پر بات کرنے لگیں۔ اپنے لیے کام کی آفر اور آخر میں تائی امی کی چالاکی بیان کی کہ وہ امی سے، بہت کم اجرت پر یہ بیگار لے رہی ہیں۔

وہ امی کو زیادہ اجرت مانگنے پر اکسا رہی تھیں۔ اور ہماری سدا کی کم گو اور صابر! امی نے نے ایک

www.zemtime.com

بات کر کے آپو جی کی ساری بات پر پانی پھیر دیا۔ کہ یہ تو گھر کی بات ہے اور میں تو لینا نہیں چاہ رہی تھی۔ مگر بھابی نے زبردستی میرے ریٹ سے زیادہ پیسے طے کیے ہیں۔" وہ مایوس ہو گئیں۔

☆☆☆

شادی کے فنکشن شروع ہوئے، ساتھ میں ہماری ہم ٹینشن اگر اچھے کپڑے بن بھی گئے تو کون سا ان کے مقابل کچھ لگ سکتے تھے۔ باقی پانچوں لڑکیاں اس تمام عرصے میں، پارلر کے کئی چکر لگا کر اور بوتیک کے مہنگے کپڑے پہن کر اس قدر اچھی لگ رہی تھیں کہ ہم تو سب کے درمیان تیلی ہی لگ رہے تھے۔ ہماری کہانی میں ایسا کچھ نہیں ہونے کا تھا کہ امیر لڑکا غریب لڑکی سے اچانک محبت کر بیٹھتا ہے۔

امیر لڑکا ہماری سلائی کڑھائی سے مزید چڑ اٹھا تھا۔ اس کی گستاخی اور کوستی نگاہیں ہمیں مجرم نا ہو کر مجرم بنا رہی تھیں۔ اوپر سے آپو جی کے لبینہ پر التفات دیکھ کر مزید حلق کڑوا ہوتا۔ وہ بات لبینہ سے کرتیں مگر مخاطب میں یا امی ہوتے کہ بھئی کوئی اچھا رزلٹ، کوئی خاص کارنامہ ہی اب باقی آنے والی لڑکیوں کے چناؤ کا سبب بنے گا۔ کیونکہ لبینہ تو ویسے ہی غیر معمولی ذہین تھی۔ جس کو قبول کر کے ان کا اور ان کے بیٹے کا اسٹینڈرڈ بڑھنا تھا نہ کہ اس شادی سے لبینہ کو خاص فرق پڑتا۔

منجھلے چچا کی اکلوتی بیٹی جو حسن میں یکتا اور تعلیم میں اعلیٰ تھی۔ تب ہی تو ان کا ہواؤں میں اڑتا بیٹا اس سے بات کرنے زمین پر کچھ لمحوں کے لیے ہی سہی آتا تھا۔ (بچہ دراصل دماغی طور پر بھی ہواؤں ہی میں اڑتا تھا)۔ کہ اس کی منگ فاسٹ سے بی ایس پڑھ رہی تھی اسے ہر سمسٹر پر 3.7 جی پی اے مینٹین رکھنے کا شرف حاصل تھا۔ وہ عام زبانوں کے بجائے کمپیوٹر کی سی۔ پائی تھان لینگویج میں محو رہتی تھی۔

اسے دوران تعلیم ہی کئی جگہوں سے کام کی پیشکش آنے لگی تھی۔ وہ سچ مچ خاندان کی سب سے قابل لڑکی تھی، اس لیے نہ کسی کے منہ لگتی نہ لگاتی تھی۔

شاذ ہی کسی سے بات کرتی تھی مگر امی کے سیے ہوئے کپڑے پہنتی اور فخریہ کہتی کہ چھوٹی امی جیسی، سلائی اور ڈیزائنر کسی بوتیک سے کم نہیں۔ بلکہ اس نے اپنی بوتیک کی مالکن سے امی کو ملوایا۔ اور اب امی کو، بہت اچھے اور بہترین کام بمعہ ان کی محنت کے حساب کی اجرت کے ساتھ ملنے لگے تھے۔

وہ امی کے ڈیزائن اور آئیڈیاز سنا اور شوق سے بنوایا کرتیں۔ اب امی کو کچھ کشادگی اور سہولت ہو گئی تھی۔

☆☆☆

انٹر کا رزلٹ آ گیا۔ امی کی مدد چھوٹے بھائیوں کو پڑھانے اور گھر کے کاموں کے باوجود رزلٹ بہت شان دار تھا۔ امی کو کچھ آسرا بندھا تھا مگر مجھے معلوم تھا کہ میں کون ہوں اور کیا میری اوقات ہے۔ میں میڈیکل کی کل وقتی اور مہنگی پڑھائی نہیں کر سکتی تھی۔ حالانکہ امی نے لاکھ کہا ابا نے قرض لینے کا فیصلہ کیا۔ مگر خیالی دنیا میں رہنا مجھے آتا جو نہ تھا۔

پہلے ہی سے گورنمنٹ کے سلائی کڑھائی ڈپلومہ سینٹر، جس کی معلومات لی ہوئی تھی اس میں داخلہ لے لیا۔ اب امی کی مدد میں دشواری بھی نہیں ہوتی۔ فارس اور انصر کی تعلیم ان کے خرچوں میں بھی تنگی نہ ہوتی۔ میں تو سدا کی گورنمنٹ آف پاکستان کی مرہون منت تھی سو اب بھی ہو گئی۔ کسی اور کی مدد اور ہمدردی کے بجائے گورنمنٹ کی مدد زیادہ بہتر تھی۔

چچی نے سنا تو ہوم اکنامکس کالج سے پڑھائی کا مشورہ دیا کہ شوق ہے تو ڈھنگ سے اور بہترین جگہ سے پورا کرو۔ تائی امی نے مدد کی آفر کی۔ مگر ہم محنت کش بھلا شوق کہاں رکھتے ہیں سو سب کی مخالفت کے باوجود امی کے نقش قدم پر چل پڑی۔

سب کو مایوسی ہوئی مگر فارس اور انصر میری ذمہ داری تھے، ان کے بہترین مستقبل میرے خواب۔ میں نے بھی بڑے خواب دیکھے تھے مگر بڑے لوگوں، اونچی سسرال کے نہیں بلکہ خود سے نام اور مقام حاصل کرنے کے، میں سسرالیوں کی امداد سے ڈاکٹر

www.zemtime.com

بن کر ان کے طعنے سننے سے بہتر یہ سمجھتی تھی کہ درزن کہلاؤں مگر سر اٹھا کر جی سکوں جیسے ابا جیے بغیر کسی کے احسان کسی کی مدد کے۔

مجھے معلوم تھا کہ محنت کسی بھی فیلڈ میں ہو رنگ لے آتی ہے۔ مقام مل ہی جاتا ہے۔ مگر آپو جی کی بہو بن کر نہیں۔ ادھر میرا داخلہ ہوا۔ ادھر دادا جی کی وفات ہوگئی اس کے ساتھ لبینہ کی جاب گوگل میں ہوگئی۔

ہم لوگ دوبارہ اپنے پرانے گھر میں شفٹ ہوگئے۔ دراصل یہاں لوگوں کو درزن ہونے پر اعتراض تھا تو بھلا ایسی جگہ کیا رہا جائے۔ امی جیسی صابر طبیعت کی حامل خاتون نے اس ماحول سے کافی اثر لیا تھا۔ وہ جو کچھ اس محل میں دیکھ اور سن رہی تھیں وہ کافی تکلیف دہ تھا۔ وہ حقارت بھری نگاہیں اپو جی اور ان کے تقی کی باتیں "درزن کی بیٹی درزن ہی ہوگی" جیسے طعنے بھلا ایسی باتیں ایک خوددار کے لیے تازیانے سے کیا کم ہوں گے۔

ادھر آپو جی نے صفی اور تقی کو چھوڑ کر تقی کی ربلہ سے بات چلادی۔ حالانکہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ صفی اور لبینہ کا نکاح کیا جاتا۔ کوئی مضبوط بندھن بندھتا پھر لڑکی کو باہر بھیجا جاتا مگر یہاں لڑکی والے زور آور تھے لڑکی زیادہ ٹیلنٹڈ تھی اور انہیں یہ بھی گمان تھا کہ کہیں امی ابا مستقل ہی یہاں اس محل میں ڈیرے نہ ڈال لیں اور ان کے تقی کو اپنی لڑکی دکھا دکھا کر جلاتے رہیں۔

سو ہم پانچوں نے اس منظر سے غائب ہوجانے کو عافیت جانا اور اپنے پرانے گوشہ عافیت کو سدھار گئے۔

وہ ڈگریاں جو بڑی بڑی یونیورسٹیز سے حاصل کی جاتی ہیں۔ ان کی قدر و قیمت بھی بڑی ہوتی ہے۔ نوکری کے مواقع بھی مگر عموماً ایسی شوقیہ یونی ورسٹیز سے ڈگری لینے والے بھلا ٹکے ٹکے کی نوکریوں کی تلاش اور چھوٹے چھوٹے کام تھوڑی کرتے ہیں انہیں تو روپے پیسے پھینکنے ہوتے ہیں نہ کہ کمانے مگر ادھر تو جنون تھا اک آگ کا دریا تھا اور ڈوب کر ابھرنا تھا۔ ساحل تلے لگنا تھا شوق لگن اور حوصلہ انسان کو تھکنے نہیں دیتے۔

انصر بھی انٹر میں آ ہی گیا تھا۔ میں نے شام میں کمپیوٹر کورسز جو فیلڈ سے متعلق تھے ان میں بھی داخلہ لے لیا۔ زندگی مشکل تھی مگر اتنی بھی نہیں۔ کام ملنے لگا تھا امی کے کام میں بھی جدت آ گئی تھی۔

لبینہ کی بوتیک کی مالکن نے ہمارے کافی کاموں کو سراہا بھی تھا اور، رکھ بھی لیا تھا اپنے بوتیک پر بہت ایمان داری سے اس کی محنت کا معاوضہ بھی دیتی تھیں۔ اب میں کافی مطمئن تھی۔ دراصل طعنے تشنے اور تنقیدی نظریں کسی بھی تعمیری کام میں بڑی رکاوٹ ہوتی ہیں۔

یہاں واپس آ کر ہم لوگوں کو جیسے دوسری زندگی مل گئی۔ کبھی کبھی رات میں بستر میں اس سب باتوں کی یاد آتی تو ایسے وقت میں، بہت یاد کرنے کے باوجود بھی تقی کا چہرہ کامل طور پر یاد ہی نہ آپاتا شاید کبھی نظر بھر کر دیکھا ہی نہ تھا۔ اس کے نقوش کی کچھ خبر ہی نہیں ملتی۔ اس نے آج تک باہر اپنے کام کے علاوہ کسی چیز کو اہمیت دی ہی نہیں۔ اس لیے باہر اندر کہیں کوئی ایسا چہرہ نہیں یاد آتا کہ جس کو دل پر نقش سمجھا جائے دراصل عورت بہت زور آور چیز ہے۔ اگر چاہے تو نفس پر قابو پا کر اگلے کئی سنگ میل روندتی ہوئی منزل تک پہنچ ہی جاتی ہے۔ میرے ساتھ بھی یہی ہوا، میرا کام جانا جانے لگا، مانا جانے لگا۔

نجانے میری محنتوں کا ثمر تھا یا ماں باپ کی دعائیں، بہت سے راستے آسان ہوتے گئے۔ کام اچھا اور معیاری ملنے لگا۔ ڈپلوما مکمل ہوتے ہی ایک نئے برینڈ نے اپنے پاس کام کی آفر کردی۔ امی جس بوتیک کے لیے کام کرتی تھیں۔ اس پر ایک فنکارہ کپڑے لینے آتی تھی اس کو امی اور پھر میرا کام پسند آ گیا۔ وہ شوبز کے ساتھ ساتھ اپنا بزنس رن کرنا چاہتی تھی۔ مجھ سے ملی چند ملاقاتوں کے بعد پارٹنر شپ ایگریمنٹ بن گیا اور میں ایک پروفیشنل ڈریس ڈیزائنر۔ محنت اور لگن سے دونوں نے بزنس کو چلانا

www.zemtime.com

شروع کیا۔

''اب دور ہے ای مارکیٹنگ کا اوپر سے ردا کا نام یہ ان دونوں چیزوں نے میرے کام کو اور نام کو چار چاند لگا دیے اور میں نے اس کے بزنس کو۔ اس کی دو تیں، حلقہ احباب ریٹ پر نہیں ڈیٹ پر فوکس کرتے تھے۔ اب امی بھی میرے ساتھ تھیں ہمارے پاس ایک کٹر اور تین ٹیلر تھے۔ امی ہیلپر اور میں ڈیزائنر ڈرافٹ ویمن اور باہر سے مٹیریل لانے اور ڈیل کرنے کی ذمہ دار۔ میری چھوٹی سی آلٹو میں ابا جی یا انصر فارس باہر کے کاموں میں مدد دیتے تھے۔

ابا جی تو جب تک اسکول سے آتے تب تو مارکیٹ کھلتی تھیں۔ اس لیے مسئلہ نہیں ہوتا۔

انصر کمپیوٹر انجینئر بن رہا تھا جس قدر ہو سکتا وہ بھی مدد کرتا۔ اس سفر میں اس لیے اتنی جلدی ہمیں منزل اتنی قریب لگتی کہ پورا گھرانا یک جا تھا۔ سب ایک دوسرے کے مددگار جو ٹھہرے۔

وقت سہل ہونے لگا تھا دھیرے دھیرے ہی سہی مگر بدل رہا تھا بدرنگ دیواروں والے مکان نے بنگلے کی صورت اختیار کر لی تھی۔ ردا کی وجہ سے مزید بڑے ڈیزائنر کے ساتھ کام کرنے کے مواقع مل رہے تھے۔ برائیڈل ویک اور فیشن میگزینز کے لیے میرے ڈریسز مقبول ہو رہے تھے۔

بہت سے موسم آئے اور گزر گئے۔ انصر تعلیم سے فارغ ہو کر نوکری کے لیے چلا گیا تھا۔ فارس نے ایم بی اے کا لاسٹ سمسٹر دے دیا تھا۔ زندگی کے سرد و گرم نے خود میں اس قدر مصروف رکھا کہ کبھی کے گزرے اس محل کے وہ چند سال، جیسے پردہ ذہن سے کہیں مٹ ہی گئے تھے۔ یہ دوڑ دراصل مقابلے کی نہیں بقا کی تھی، اپنے شوق اپنی لگن اپنے خاندان کو بہتر مستقبل دینے کی تھی اس لیے کبھی پلٹ کر دیکھا ہی نہیں اور نا کبھی انہوں نے تلاش کیا۔

زندگی اسی ڈگر پر چل پڑی تھی اور اب مصروف تو بہت تھی مگر آبلہ پائی نہیں تھی۔ رلتے رلتے ہاتھ پیر مارتے مارتے، آخر کار میں ایک جگہ قدم جمانے پر کامیاب ہو ہی گئی تھی اور جو لوگوں کو لگتا تھا کہ ایک مرد زندگی کی ضرورت ہے وہ بھی اب زندگی میں آ ہی گیا تھا اپنے جیسا اپنی ہی فیلڈ کا۔

قیصر جو کہ اب شوہر تھا مگر نہایت اچھا، بہت مددگار، زندگی سے بھرپور۔ تنہا تھا بے نام تھا، بے روزگار تھا مگر محنتی تھا۔ میری ہی فیلڈ میں ڈگری یافتہ تھا سو ہم دونوں نے ایک دوسرے کا ہاتھ ہنسی خوشی تھام لیا۔ اب زخم زخم پیروں پر مرہم رکھنے کا وقت تھا ایک طویل۔ آبلہ پائی کے بعد امی ابا کی زندگی میں بھی بیٹوں کی کمائی سے رونق تھی۔ ابا کے پڑوس کا گھر خرید کر اپنا نیا آشیانہ میں نے اور قیصر نے آباد کر لیا تھا۔ ننھی منی سی گڑیا نے ہم کو ہمارے آشیانے میں کم اور ابا کے گھر زیادہ رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔ امی نے اوپر دو فلور مزید تعمیر کروا لیے تھے۔

اگلے چند ماہ میں انصر کی جو شادی طے تھی۔ امی کا فارس کی بھی جلد شادی کا ارادہ تھا سو دونوں کے اوپر پورشن الگ تعمیر ہو گئے تھے۔ اور مجھے جو لگتا تھا کہ دادا جی کا گھر، قید خانہ ہے۔ اس سے کب نجات ملے گی اب بھولی بسری یاد ہو گیا۔

یاد نہ آتا گر اس دن رملہ نہ ملی ہوتی ایک فیشن شو تھا جس میں میں اپنی فیلڈ ورکر اسٹاف اور ماڈل کے ساتھ مصروف تھی۔ قیصر بھی اپنے کاموں میں اپنے ماڈل کے ساتھ تھا کہ رملہ نے مجھے دیکھا اور خود کسی نا کسی طرح اس ملاقات کو ممکن بنایا، میں روشنیوں کے اس بازار کو سجانے والی تھی میرے پاس بھلا وقت کہاں، مگر ادھر اصرار تھا اور میرے پاس مصروفیت۔ کارڈ دے کر جان چھڑائی اور پھر وہ دو دن بعد ہی آ دھمکی بہت محبت سے گلے ملی۔ میرے کپڑوں ڈیزائنر اور آئیڈیاز کی تعریف کی پھر اس نے بتایا۔

''ابا میاں (تایا ابا) لاچار بستر پر پڑے ہیں۔ چھوٹے ابا سے کہنا ان سے آ کر مل لیں۔'' اس کا چھوٹا بھائی باہر چلا گیا تھا پڑھنے، اب کئی سالوں سے وہیں ہے۔ وہیں شادی بھی کر لی ہے۔ ماں باپ کی یاد اسے آتی ہی نہیں۔ چچا چچی باہر شفٹ ہو گئے ہیں

www.zemtime.com

لبینہ کے پاس، جس نے ایک انگریز سے شادی کر لی ہے، نجانے وہ مسلمان ہوا بھی ہے کہ نہیں؟ اور صفی اس کو اس جیسا ڈفر نہ پہلے پسند تھا نہ اب، وہ تو دوستی تھی پتا نہیں دوسروں نے اسے غلط رنگ کیوں دیا، یہ لبینہ کے خیالات تھے۔

ادھر ابو جی کے بڑے بیٹے غنی بھائی ریٹائرمنٹ کے بعد باہر چلے گئے ہیں۔ کسی فرم میں کنسلٹنٹ کے طور پر۔ رضی یہیں ایک ملٹی نیشنل میں جاب کرتے ہیں اور دو بیٹیوں کے باپ ہیں۔ صفی نے شادی ہی نہیں کی۔ شاید سچ مچ محبت کر بیٹھے تھے یا پھر رجکشن نے انہیں کم ہمت کر ڈالا تھا۔ تقی نے معاشقے کے بعد بہت جدوجہد کر کے اپنی کلاس فیلو سے شادی کی مگر کامیاب نہ ہو سکی۔ اب دوسری شادی کی ہے انٹر پاس عام سی لڑکی سے جو ابو جی کا گھر سنبھال سکے۔ اس سے ایک بیٹی ہے۔ پہلی سے بیٹا تھا مگر طلاق کے بعد وہ اسے ساتھ لے گئی۔

ادھر رملہ اور تقی دونوں بہترین کوالیفائیڈ لوگ ہیں مگر بے اولاد ہیں۔ ٹیوب بے بی بھی کر لیا مگر وہ چار سال سے زیادہ نہ جی سکا۔

"میں نے تمہارا حق نہیں مارا تھا۔ پلیز مجھے معاف کر دو۔ میرے ماں باپ اور تقی کی اماں سب کو معاف کر دو ہم اپنے کیے پر شرمندہ ہیں۔ تقی سے شادی میرا نہیں۔ بڑوں کا فیصلہ تھی مگر سزا مجھے ملی ہے۔"

"مگر کس بات کی معافی؟" میں نے حیرت سے سوال داغا۔

"حقارت کی، تحقیر کی، بے توقیری کی معافی۔" ادھر سے جواب آیا۔

"مگر ہم نے ایسا سوچا ہی نہیں۔" سچے دل سے میں نے کہا۔

"مگر ہم نے کیا ہے اس لیے ہم ہی معافی کے طلب گار ہیں، تقی بھی بہت شرمندہ ہیں۔ بار بار تمہارے ڈیزائن اور شہرت دونوں کا ذکر کرتے ہیں کہتے ہیں کہ میں نے چھوڑ کر غلطی کی۔"

"مگر میں احسان مند ہوں۔ وہ قبول کرتے تو میں آج یہ نا ہوتی جو ہوں۔ میں صرف ایک امیر خاندان کی بہو ہوتی زیادہ سے زیادہ ڈاکٹر انجینئر ہوتی جس کی ڈگری چولہے کی نذر ہو جاتی۔ میں سچ مچ تم لوگوں کی ممنون ہوں۔ بعض دفعہ ری جیکشن کوئلے کو ہیرے میں اور بعض دفعہ ہیرے کو کوئلہ کر دیتی ہے جیسے صفی ہوئے۔ تم سب کا بہت شکریہ۔"

"امی نے تمہارا مارننگ شو میں بطور مہمان بن کر آنا اور تمہارے ڈیزائن کردہ کپڑے دیکھے یقین کرو بہت خوش ہوئیں۔"

"ان کو میری جانب سے شکریہ کہنا میں امی ابا کو تمہارے اور سب کے متعلق بتاؤں گی مگر میری مجبوری ہے۔ میری ایک سلیبرٹی سے اپائنٹمنٹ ہے میں تم کو مزید وقت نہیں دے سکوں گی۔ ابا کو ضرور فارس کے ساتھ بڑے ابا کے پاس بھیجوں گی۔"

مصافحہ معانقہ بھی مشکل لگا مگر نبھانا پڑا، مروت رواداری یہ سب گھٹی میں تھا سو کیا اور بھاگم بھاگ آفس سے نکل کر کلائنٹ روم کی طرف بڑھ گئی مگر اس ملاقات نے بہت سے ادھورے سوالات کو پورا کر دیا۔ اور وہ جو فرعونِ وقت تھے۔ ان کو فرعون کی طرح عروج اور پھر زوال پذیر بھی کر دیا۔

رزق حرام سے پلے بچوں سے ملنے والے گھن زدہ پھلوں کو دیکھا اور حلال کی برکت کی صورت ہم تینوں بہن بھائیوں کا صرف زندگی میں سیٹل ہونا ہی نہیں، آج بھی ماں باپ کا فرماں بردار ہونا پایا۔ ان کے لیے یہ کیسی آزمائش ہے اور یہ ہی ابا کے لیے کتنا اچھا صلہ ہے۔

بے اختیار آنسو بہہ گئے۔ ان آنسوؤں نے دل کی بہت سی کثافتوں کو دھو ڈالا۔ آج جتنا اچھا خوب صورت روشن چمک دار دن پہلے شاید ہی کبھی طلوع ہوا ہوگا۔ میں نے شکر ادا کرتے سے سوچا۔

☆☆

www.zemtime.com